

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تاویلات اهل السنہ یا تفسیر ابی منصور ما تریدی

محمد صغیر حمن معصومی

(گزشتہ سے پیوستہ)

نیز فاتحہ القرآن میں ہمیں کوئی اختیار حاصل نہیں، اور جس آیت سے ہمیں فرضیت کی معرفت حاصل ہوئی ہے وہ ان آیات کے بارے میں ہے جن کے بسہولت اختیار کرنے میں ہمیں اختیار عطا ہوا ہے، تو یہ بات ثابت ہوئی کہ فرضیت سورہ فاتحہ کے سوا آیات کی طرف راجح ہے۔ وباللہ التوفیق۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و امثال امر میں اللہ ہی کی طرف سے اجر ملتا ہے، یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد و ثنا بیان کرنے میں اجر لازم قرار دیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کی آیات کی تقسیم کی ہے، تو سورہ فاتحہ کی قراءت اسی حق کی بنا پر لازم ہے، اور اس کی قراءت

غیرہا وباللہ التوفیق،  
والثانی انہ فی اللہ اجر عن  
اللہ ان جعل بما فی خلق الشاء  
وہو ما ذکر فی خبر القسمہ  
فصارت تقرأ بذلک الحق، فلم  
یخلق لها حق القراءة، بل الحق  
بما حق الدعاء والنبات و لیس ذلک  
من فرائض الصلاة، و باللہ  
التوفیق،

والثالث ما روى عن عبد الله بن  
مسعود ان النبي صلى الله عليه

حق قراءت کی بنا پر لازم نہیں ہے ، بلکہ حق بات یہ ہے کہ اس کی قراءت کا حق ہر ایک کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح ہر ایک کو دعا کرنے اور اپنے کو قایم رکھنے کا حق حاصل ہے ، جو فرائض صلاۃ میں سے نہیں ، و باللہ التوفیق ۔

تیسری وجہ وہ حدیث ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک پوری رات یہ کہنے میں گزار دی ”إن تعذبهم فانهم عبادك“ ، (اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دینا چاہتا ہے تو یہ سب تیرے ہی بندے ہیں) ۔ یہی کہتے ہوئے آپ قیام کرتے تھے ، یہی کہتے ہوئے رکوع میں جاتے ، سجدے میں گرتے اور اسی حال میں بیٹھتے تھے۔ اس طرح اس حدیث سے ثابت ہے کہ حق اللہ میں قراءت نہیں ، مزید برآں اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں ، ، لوٹ جاؤ اور نماز ادا کرو ، کہ تم نے نماز نہیں پڑھی ، یہ آپ نے نماز پڑھنے کی تعلیم دیتے وقت فرمایا ، تمہارے لئے جو آسان کچھ آتیں ہوں پڑھو ، پس یہ بات ثابت ہے کہ فرض یہی امور ہیں ،

وسلم احیی ایلہ بقولہ: ان تعذبهم<sup>۱</sup> فانهم عبادك الایہ۔ فیہ كان یقوم وفیہ كان<sup>۲</sup> یركع وفیہ یسجد وفیہ یقعد ، ثبت انه لاقراءة فی حق اللہ اذا مع ما ایده الخبر الذی فیہ: ”ان ارجع فصل فانك لم تصل الخ“ ، قال له وقت التعلیم اقرأ ما تیسر علیك ، ثبت ان الفروض ذلك ۔

و أيضا روی عن رسول اللہ صلی (صہ) اللہ علیہ وسلم انه قال : لا صلاۃ الا بفتحہ۔ الكتاب ،

ثم روی عنه بیان محلها ان کل صلاۃ لم یقرأ فیہ بفتحہ۔ الكتاب فہی خداج ، نقصان غیر تمام ،

<sup>۱</sup>۔ مخطوطہ میں یہ آیت اس طرح مرقوم ہے جو غلط ہے : ”ان تتب بهم فاند انہم“ ، الخ ۔ نیز یہ حدیث مشکاة المصابیح (سجستانی۔ دہلی ص ۷۰۷) میں حضرت ابو ذر سے اس طرح روایت کی گئی ہے : قال قام رسول اللہ حتی الصباح بایہ۔ والایہ: ان تعذبهم فانهم عبادك (المائدہ ۱۱۸) ۔

<sup>۲</sup>۔ مخطوطہ: کانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی مروی ہے (ص ۵): آپ نے فرمایا: نماز مکمل نہیں ہوتی مگر فاتحہ-الکتاب سے، پھر نماز کا مقام اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے، آپ نے فرمایا: جس نماز میں فاتحہ-الکتاب کی قراءت نہیں کی گئی وہ ناقص اور ناتمام ہے، (یعنی اس میں کمی رہ گئی) فاسد کی صفت تقصان کے ساتھ نہیں کی جاتی ہے، جس کی صفت تقصان ہو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ یہ فعل جائز ہے البتہ اس میں کمی رہ گئی، وباللہ التوفیق۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فاتحہ-القرآن کے ساتھ آمین کہنے کو خاص کیا ہے، (مطلب یہ ہے کہ اے اللہ) قبول کر لے ان ساری باتوں کو جن کا نام بنام ذکر تقسیم والی حدیث میں آیا ہے۔ سورہ فاتحہ کے سوا میں بھی دعا مذکور ہے۔ مگر دوسری سورتوں میں اسمی شخص مذکور نہیں اس لئے آمین زور سے نہیں کہا جاتا، اور اس ترجیح کی وجہ وہی باتیں ہیں جن کا ذکر تسمیہ میں ہو چکا، نیز یہ سورت دوسری سورتوں سے زیادہ دعا کے معنی میں خاص و خالص ہے۔

والفاسد لا یوصف بالتقصان، وانما الموصوف بمثلہ ما جاز مع التقصان، وباللہ التوفیق۔

ثم خص فاتحہ القرآن بالتامین بما سمی بالذی ذکرہ خیر القسمہ، وغیر الفاتحہ وان کان فیہ الدعاء، فانہ لم یخص بهذا الاسم، لذلك لم یجہر بہ، فالسبیل فیہ ما ذکرنا فی التسمیہ مع ما کان ہواخلص بمعنی الدعاء منها۔

ثم السنہ فی جمیع الدعوات المخافتہ، والاصل ان کل ذکر یشترک فیہ الامام و القوم فسنہ المخافتہ الالاحاجۃ الاعلام و هذا یتلو قولہ ”ولا الضالین“، فیزول معناه، وسبیل مثلہ المخافتہ مع ما جاء فیہ مرفوعا و متوارثا، و خبر الجہر یحتمل السبق کما کان یسمعون فی صلاۃ النہار احيانا، و یحتمل الاعلام انه کان یقرأ بہ وباللہ التوفیق۔

علاوہ ازیں ساری دعاؤں میں سرگوشی سنت ہے، اصل یہ ہے کہ جس ذکر میں امام اور قوم شامل ہوں اس میں سرگوشی مسنون ہے، البتہ اعلان کی ضرورت ہو تو باواز بلند کہنا جائز ہے، سورہ فاتحہ میں ”ولا الضالین“ کے بعد آمین کا مقام ہے، تو اعلان کا مفہوم بے معنی ہے، پس ایسی جگہ سرگوشی ہی طریقہ سنت ہے، پھر اس بارے میں مرفوع روایتیں ہیں اور صحابہ کرام سے برابر اسی پر عمل ہوتا رہا ہے، البتہ باواز بلند آمین کہنے کی خبر ممکن ہے ابتداء عہد میں ثابت ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کی نماز میں مقتدیوں کو احیانا سناتے ہوں، اور اس بات کا احتمال بھی ہے کہ باواز بلند آمین کہنے سے یہ مقصود ہو کہ سب کو خبر ہو جائے کہ یہ کہنا چاہئے، وباللہ التوفیق۔

نیز سورہ فاتحہ چند در چند خیر و برکات کی جامع ہے، اور ہر خیر و برکت اپنے اندر سارے خیر و سعادات کو سموئے ہوئے ہے۔ حرف اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”الحمد لله رب العالمین“، ساری نعمتوں کے لئے شکر یہ ہے، نیز اللہ ہی کو ان ساری نعمتوں کا منبع بیان کرتا ہے، اس طرح کہ اس کا

ثم جمعت هذه خصالاً من الخير، ثم كل خصلة منها تجمع جميع خصال الخير منها۔ ان في الحرف الاول من قوله ”الحمد لله رب العالمين“، شكراً لجميع النعم وتوجيهها لها الى الله لاشريك له ومدحاً له باعلى ما يحتمل المدح وهو ما ذكرنا من عموم نعمه والائه جميع بريته۔ ثم فيه الاقرار بوحدانيته في انشاء البريه“

کہا، وتحقیق الربوبیہ۔ لہ علیہا بقولہ ”رب العالمین“، وکل واحد منهما یجمع خصال خیر الدارین و یوجب القائل بہ عن صدق التلمب درک الدارین۔

ثم الوصف لله عز و جل بالاسمين يتعالى عن ان يكون لاحد معناهما حقيقه“، او يجوز ان يكون منيه لاستحقاق بحق

اللہ والرحمن - کوئی شریک نہیں اور سارے بزرگ ترین معاد کا سزاوار ہے، اور وہ مدح و حمد کا مستحق اس لئے ہے کہ اس کی ساری نعمتیں اور بخششیں اس کی ساری مخلوق کے لئے عام ہیں، پھر اس میں اس بات کا اقرار بھی ہے کہ اللہ ایک اور یکتا ہے اپنی ساری مخلوقات کے اولین بار پیدا کرنے میں، پھر رب العالمین اس بات کی تثبیت ہے کہ سارے عالم و مخلوقات کا پالنے والا وہی ہے، اور وہی رب و پالنے والا ہے، نیز الحمد للہ اور رب العالمین ہر دو میں دونوں جہاں کی ساری خیر و برکتیں جمع ہیں، اور ہر دو کلمات صدق دل سے کہنے والے کو مجبور کرتے ہیں کہ دونوں جہاں کی سعادتوں کو حاصل کریں -

نیز اللہ تعالیٰ کا وصف رحمن و رحیم کے ساتھ بیان کرنا اس بات سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ ان دونوں اسماء کا معنی کسی اور کو حقیقت میں میسر ہو جائے، نہ یہ جائز ہے کہ کوئی اللہ اور رحمن کے حق کے مستحق ہونے کی آرزو کر سکے -

نیز اس سورت کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ایسی صفت ہے کہ ہر نجات پانے والے کے لئے نجات اور ہر نیک بخت

ثم الوصف له بالرحمة التي هي نجات كل ناج وسعادة كل سعيد وبها يتقى المهالك كلها مع ما من رحمته خلق الرحمة التي بها تعاطف بينهم وتراحمهم - ثم الايمان بالقيامة بقوله تعالى مالك يوم الدين مع الوصف له بالمجد وحسن الثناء عليه - ثم التوحيد وما يلزم العباد من اخلاص العبادة له والصدق فيها مع جعل كل رفعة و شرف منالا به عز وجل -

ثم رفع جميع الحوايج اليه والاستعانة به على قضائها والظفر بها على طمانينه القلب وسكونه ان لاخيه عند معونته ولا زيف عند عصمته -

ثم الاستهداء الى ما يرغبه

کے لئے سعادت ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سارے اسبابِ ہلاکت و بربادی سے بچتا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جس کی وجہ سے اس نے اس رحمت کو پیدا کیا جس سے لوگوں کے آپس میں ہمدردی، غمخواری اور رحم و کرم کا وجود ہے۔

اس سورت کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ قیامت پر ایمان و عقیدے کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے قول ”مالک یوم الدین“ (اللہ تعالیٰ جزاء کے دن کا مالک ہے) سے راسخ ہوتا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان اور اس کی مدح و ستائش کا بیان ہے۔

پھر یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اس میں بیان ہے، اور بندوں کے لئے اخلاص عمل اور اللہ کی خالص عبادت کو لازم و ضروری قرار دیا گیا ہے، عبادت میں خالص و صادق ہونے کے ساتھ سارے جاہِ جلال، اور رفعتِ شان و شرافت اللہ بزرگ و برتر کی بخشش و عطا ہیں۔

پھر اس بات کا بیان ہے کہ ساری حاجتیں اللہ تعالیٰ سے چاہی جائیں، اسی سے اعانت طلب کریں کہ وہ ساری حاجتوں کو پوری کرتا ہے، اور حاجت روائی کے ساتھ قلب کو اطمینان و سکون بخشتا ہے، اللہ کی اعانت

والعصمة عما یغویہ فی حادث الوقت علی العلم بأنه لا ضلال لأحد مع ہدایتہ فی التحقیق، ولو جاءہ الخوف من اللہ لادن غیرہ، وعلی ذلك جمیع معاملات العباد وسکابہم علی الرجاء من اللہ تعالیٰ ان یکون جعل ذلك سببا بہ یصل الی مقصوده ویظفر بمرادہ، ولا قوۃ الا باللہ۔

قولہ وایاک نستعین، فذلك طلب المعونۃ من اللہ علی قضاء جمیع حوائجہ دیناً و دنیا، و یحتمل ان یکون ہو علی اثر الفزع الی اللہ بقولہ ایاک نعبد علی طلب التوفیق لما ادر بہ والعصمة عما حذرہ عنہ۔

حاصل ہو تو نقصان و خسران نہیں، اور اللہ بچانے والا ہو تو ضلالت و گمراہی نہیں۔ نیز اللہ ہی سے ان امور کی طرف ہدایت و رہنمائی چاہیں جن سے وہ راضی رہتا ہے اور اللہ ان چیزوں سے محفوظ رکھے جو وقت کے تجدد سے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں، کہ ہمیں یقین ہے کہ درحقیقت اللہ کی رہنمائی کے ساتھ کسی شخص کے لئے گمراہی نہیں، اور اللہ ہی کی طرف سے اسے خوف آگھیرتا ہے، کسی دوسرے کی جانب سے نہیں، اسی طرح بندوں کے سارے معاملات اور ان کے اسباب کسب اس امید پر موقوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے اسباب فراہم کر دے کہ بندہ اپنے مقصود کو پالے اور اپنی مراد پانے میں کامیاب ہو جائے۔ اور اس کامیابی کی قوت اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔

آیت پاک وایاک نستعین کا مفہوم یہ ہے کہ دین و دنیا کی ساری حاجتوں کو پوری کرنے کی درخواست اللہ تعالیٰ ہی سے کرنی چاہئے، اور اسی سے اعانت طلب کی جائے۔ اس بات کا احتمال بھی ہے کہ ”ایاک نعبد“ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے آگے جزع و فزع کرنے کے اثر کے طور پر ان باتوں کے کرنے

و كذلك الامر البين في الخلق من طلب التوفيق والمعونه من الله والعصمه عن المنهى عنه، جرت به سنه الاخبار والله الموفق۔

ثم لا يصلح هذا على قول المعتزله لان تلك المعونه على اداء ماكف قد اعطى اذ هو على قولهم لايجوز ان يكون مكفا قد بين شئ بما فيه اداء كل مكف عند الله، وطلب ما اعطى كتمان العطيّه، وكتمان العطيّه كفران فيصير كأن الله أمر ان يكفر نعمه ويكتمها ويطلبها منه تمنياً وظن .ثله بالله كفر، ثم لا يخلو من

کی توفیق اللہ تعالیٰ سے چاہیں جن کے کرنے کا حکم اس نے دیا ہے اور ان امور سے بچنے ہوئے رہنے کی درخواست کریں جن سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے۔

اسی طرح مخلوق کے حق میں یہ کھلی بات ہے کہ توفیق و اعانت اللہ تعالیٰ سے چاہیں، اور منع کی ہوئی چیزوں سے محفوظ رکھنے کی التجا بھی اسی سے کریں کہ اخبار و احادیث کی سنت اسی طرح جاری ہے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

البتہ اہل اعتزال کے عقیدے کے مطابق یہ درست نہیں، کیونکہ جس چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف بنایا ہے، اس کی ادائیگی کے لئے اسدادی قوت انسان کو دی جاچکی ہے، غرض معتزلہ کے مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف بنائے، کیونکہ یہ بیان کیا جاچکا کہ جس چیز سے ہر مکلف اپنی تکلیف کو ادا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور دی ہوئی چیز کو مانگنا بخشش و عطیہ کو چھپانا ہے، اور عطیہ الہی کو چھپانا کفران (نعمت) ہے، تو گویا تکلیف دے کر اللہ تعالیٰ اس بات کا انسان کو حکم دیتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا انکار کرے اور ان کو چھپائے، اور بطور آرزو ان کو

ان یکون عند الله ما يطلب فلم يعطه التمام اذاً، او ليس عنده فهو هائىء به في العرف مع ما كان الذي يطلب اما ان يكون لله ان لا يعطيه مع التكلف، فيبطل قولهم اذ لا يجوز ان يكلف وعنده ما به الصلاح في الدين، فلا يعطى او ليس له ان لا يعطى فكانه قال: اللهم لاتجز، ومن هذا علمه بربه، فالاسلام اولى به، وهذا مع ما كان لا يدعو الله احد بالمعونه الا ويضمن قلبه، انه لا يذل عند المعونه ولا يزيغ عند (ص ۶) العصمه، وليس مثله بملك الله عند المعتزله، ولا قوة الا بالله۔



اللہ تعالیٰ سے طلب کرے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی بدگمانی کفر ہے، نیز اس امر سے خالی نہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ساری مطلوب چیزیں ہیں جن کو وہ پوری طرح نہیں دیتا، یا اس کے پاس ساری اشیا نہیں، دوسری تقدیر پر لازم آتا ہے کہ عام طور پر گویا اللہ ٹھٹھا کرتا ہے، ساتھ ہی یہ واضح ہے کہ شئی مطلوب اللہ کے پاس ہے مگر تکلیف دینے کے باوجود نہیں دیتا ہے، تو ان کا قول باطل ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ تکلیف دے اور ساتھ ہی اس کے پاس ایسی اشیا ہوں جن سے دین کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ مگر وہ عطا نہیں کرتا، یا اس کے لئے دینا جائز نہیں، گویا کہ اس نے یہ کہا کہ اے اللہ عزوجل تو جزا نہ دے، جس کو اللہ تعالیٰ کا علم صرف اتنا ہی ہو تو اسلام اس کے لئے بہتر ہے، ساتھ ہی یہ حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اعانت طلب کرتا ہے، اس کا قلب ضرور مطمئن ہوتا ہے۔ اعانت طلب کرتے وقت اللہ تعالیٰ کسی کو ذلیل نہیں کرتا، اور نہ برائیوں سے بچنے میں گمراہ کرتا ہے، معتزلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ملک میں ایسی کوئی چیز نہیں اور نہ کسی میں

وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال في خبر القسمة -  
 الله يقول : هذا بيني وبين عبدى  
 نصفين، وذلك يحتمل ان يكون  
 كل حرف من ذلك بما فيها جميعا  
 والغزق الى الله بالعبادة و  
 الاستعانة ورفع الحاجة اليه،  
 والجهار عنه جل وعلا عنه  
 فيتضمن ذلك الثناء عليه وطلب  
 الحاجة اليه، و يحتمل ان يكون  
 الحرف الاول لله بما فيه عبادته  
 وتوحيده۔

والثاني للعبد مما فيه طلب  
 معونته وقضاء حاجته ويؤيد ذلك  
 بقية السورة انه اخرج على الدعاء  
 فقال الله عزوجل هذا لعبدى  
 ولعبدى ۱۰ سال۔

اللہ کے بغیر کوئی قوت و سکت ہے ۔  
تقسیم والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم سے روایت ہے، فرمایا : اللہ تعالیٰ کہتا  
ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان نصف  
نصف ہے ۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ہر حرف اپنے سارے  
برکات کو سموئے ہے، اور اللہ تعالیٰ سے  
عبادت واستعانت نیز اس سے حاجت روائی کی  
درخواست کرتے وقت خشوع و خضوع ہو،  
اور ان کے زور سے پڑھنے کو اللہ تعالیٰ نے  
فرمایا کہ اس میں ثناء الہی ہے، اور اللہ ہی  
سے حاجت روائی کی درخواست ہو، یہ بھی  
ممکن ہے کہ اولین حرف اللہ تعالیٰ سے متعلق  
ہو، کیونکہ اس میں اس کی عبادت و توحید  
کا ذکر ہے۔

دوسرا جملہ بندے کے لئے ہے جس میں اللہ  
سے اعانت کی طلب اور اپنی حاجتوں کی  
ادائیگی کی درخواست ہے، سورہ ہذا کا بقیہ  
حصہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ سورہ  
بطور دعا نازل کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ  
کا فرمان ہے: یہ میرے بندے کے لئے ہے،  
اور میرے بندے کے لئے ہر وہ چیز ہے  
جس کا وہ سوال کرتا ہے۔

وقوله اهدنا : قال ابن عباس  
ارشدنا ، و الارشاد والهدایہ -  
واحد ، بل الہدایہ فی حق  
التوفیق اقرب الی فہم الخلق من  
الارشاد بما ہی اعم فی تعارفہم -  
ثم القول بالہدایہ ینخرج علی  
وجہ ثلاثہ :

احداہا البیان ، ومعلوم ان البیان  
قد تقدم من اللہ لا احد یرید بہ  
ذلك لمضی ما فیہ البیان من  
کتاب وسنہ ، والی هذا تذهب  
الاعتزلہ -

و فی الثانی التوفیق لہ والعصمہ -  
عن زیغہ و ذلك معنی قولہم  
اللہم اهدنا فیمن ہدیت -

وقوله اهدنا الصراط ، صراط  
الذین وصفہم الی آخر السورۃ ،  
ولو کان علی البیان علی ما قالت

اهدانا کا مفہوم حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق، ”ارشدنا،“ ہے، ارشاد اور ہدایت ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں (یعنی سیدھی راہ دکھا ہمکو) بلکہ ہدایت توفیق کے معاملے میں لوگوں کی سمجھ سے ارشاد کی نسبت زیادہ قریب ہے، اس لئے کہ ہدایت لوگوں کے علم میں زیادہ عام ہے۔

نیز ہدایت کا استعمال تین معانی کے لئے ہوتا ہے:

۱۔ ہدایت بیان کے معنی میں، یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیشتر ہی بیان فرما دیا ہے جس کا کوئی انسان ارادہ نہیں کر سکتا کہ کتاب و سنت کا بیان قبل گزر چکا، یہی مفہوم معتزلہ کا اختیار کردہ ہے۔

۲۔ دوسرا مفہوم اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے کہ اپنے سے دور ہونے سے ہمیں بچائے یہی مقصد ہے لوگوں کے کہنے کا کہ اے اللہ ہمیں توفیق دے کہ تیری ہدایت پر رہیں، اللہ تعالیٰ کے قول، اهدنا الصراط، کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ان کے راستے پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلائے جن کا وصف آخر سورہ تک مذکور ہے، معتزلہ کی رائے بیان کے معنی میں ہے ورنہ دونوں (انعام پانے والے اور مغضوب علیہم) برابر ہو جائیں گے، تو

المعتزله- فهو والمغضوب عليهم في ذلك سواء، ثبت انه عاما قلنا دون ماذهبوا اليه۔

والثالث ان يكون على طلب خلق الهدايه- لنا اذ نسب اليه من جهه- الفعل، و كل ما يفعل خلق، كانه قال اخلق لنا هدايتنا وهو الاهتداء منا وبالله التوفيق۔

ثم تاويل طلب الهدايه- ممن قد هداه الله يتوجه وجهين:

احدهما طلب الثبات على ما هداه الله، وعلى هذا معنى زيادات الايمان انها بمعنى الثبات عليه وذلك كرجلين ينظران الى شئ فيرفع احدهما بصره عنه جائز القول بازدياد منظر الاخر۔

و وجه آخر على ان في كل حال يخاف على المرء ضد الهدى

ثابت ہوا کہ ہم نے عام معنی میں کہا ہے اس معنی میں نہیں جو معتزلہ کی رائے ہے۔

۳۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جائے کہ ہمارے لئے ہدایت پیدا کرے، کیونکہ فعل کے لحاظ سے ہدایت دینا اللہ کی طرف منسوب ہے اور جو اللہ کرتا ہے وہ پیدا کردہ ہے، گویا سورۃ فاتحہ پڑھنے والا کہتا ہے اے اللہ ہمارے لئے ہماری ہدایت پیدا کر، یہی ہماری طرف سے ہدایت پانا ہے، اور اللہ سے توفیق ہوتی ہے۔

نیز طلب ہدایت کی تاویل ہدایت یافتہ لوگوں کے نزدیک دو طرح کی جاتی ہے۔

۱۔ اول اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی درخواست ہے جس کے لحاظ سے ایمان میں زیادتی کا مفہوم واضح ہوتا ہے، کہ ایمان پر قائم رہنا ایمان پر مستزاد ہے، جیسے دو مرد ایک چیز کو دیکھتے ہیں، پھر ایک مرد اپنی نظر اس سے پھیر لیتا ہے اور دوسرا دیکھتا رہتا ہے تو یہ کہنا صحیح ہے کہ دوسرے کو زیادہ منظر حاصل ہے۔

فیہدیہ مکانہ ابدأ فیکون لہ حکم الہتداء اذ فی کل وقت ایمان

منہ دفع بہ ضده ، وعلی ذلک  
 قوله ” یا ایہا الذین آمنوا آمنوا  
 باللہ الایہۃ ، ونحو ذلک من  
 الایات ۔

وقد یحتمل ایضاً معنی الزیادۃ  
 هذا النوع ، وبالله التوفیق ۔

واما الصراط فهو الطريق  
 والسبیل فی جمیع التاویل ، وهو  
 قوله : وان هذا صراطی الایہۃ ،  
 وقوله قل هذه سبیلی ، ثم اختلفوا  
 فی ماہیتہ ، فقال بعضهم هو  
 المراد ، وقال بعضهم هو الایمان ۔  
 وایہما کان فهو القايم الذی

دوسری تاویل یہ ہے کہ ہر حال میں یہ خوف ہے کہ انسان پر مبادا ہدایت کی ضد طاری ہو جائے، پس جسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہدایت سے نوازتا ہے، تو اس کے لئے ہدایت پانے کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ ہر وقت کا ایمان ہدایت کی ضد کو دافع ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مفہوم ہے کہ ”اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ،“ اور اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔

کبھی زیادتی کے معنی کا احتمال بھی ایسی جگہ بصراحت مفہوم ہوتا ہے، اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بہر کیف صراط کا مفہوم ساری تاویل میں راستہ اور سبیل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”بیشک یہ میرا راستہ ہے،“ الایہ۔“ اور یہ قول ”آپ فرما دیجئے، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہی میرا طریقہ ہے،“

البتہ طریق و سبیل کی ماہیت میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اس سے مراد راستہ ہی ہے، اور بعض کے نزدیک اسکا مفہوم ایمان ہے، جو معنی بھی ہو اس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ راستہ ایسا سیدھا ہے جس میں کوئی کجی نہیں، اور ایسا متعین راستہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں، جو بالالتزام اس طریق پر رہا، نزل مذکور تک پہنچا،۔ اور اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

لا عوج له والقيم الذي لاخلاف فيه، من لزمه وصل الى ما ذكر وباللغة التوفيق،۔

وقوله: المستقيم، قيل هو القايم بمعنى الثابت بالبراهين والادله۔ لا يزيله شئ ولا ينقض حججه كيد الكايدين ولا جهل المرييين۔

وقيل المستقيم الذي يستقيم بمن يمسك به حتى ينتجيه ويدخله الجنة۔

و قيل المستقيم بمعنى ”يستقام به،“ كقوله: و النهار بصبرا، اي يبصر به۔ يدل عليه ”ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا،“ الایہ۔ فالمتقيم هو المتبع له وباللغة التوفيق۔

مستقیم کا مفہوم بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ راستہ براہین وادلہ سے قائم و ثابت ہے، کوئی چیز اسے زائل نہیں کر سکتی اور کسی سکار کی سکاری اور شک کرنے والے کی جہالت اس کی حجتوں کو توڑ نہیں سکتی۔

بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مستقیم وہ راستہ ہے جو اپنے چلنے والوں کو سیدھا رکھتا ہے یہاں تک کہ انہیں نجات حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

بعض دوسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ مستقیم اس کو کہتے ہیں جس سے استقامت حاصل ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ”والنہار مبصر،“ ہے، یعنی دن جس سے بصارت حاصل ہوتی ہے، دلیل میں ایک دوسری آیت پاک ہے، ”بیشک جن لوگوں کا قول ہے ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ لوگ اس پر قائم رہے، الایہ،“ تو مستقیم اللہ کے متبع اور فرمانبردار ہوئے۔ اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہیں اپنی نعمتوں سے نوازا، اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی نعمتیں ہر ایماندار کے لئے ہیں، اور جو کچھ مذکور ہوا اس بات پر دال ہے کہ صراط دین ہی ہے، جس کی نعمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سارے ایمان

ثم ذکر من ذکر من المنعم علیہم ولله علی کل مؤمن نعم بالہدایہ، وما ذکر دلیل علی ان الصراط هو الدین، لانه انعم بہ علی جمیع المؤمنین، لکن تاویل من یرد الی الخصوص یتوجہ وجہین:

احدہما انه انعم علیہم بمعرفۃ الکتب والبراہین، فیکون علی التاویل الثانی من القرآن والادلہ، والثانی ان یکون لہم خصوص فی الدین قدسوا علی جمیع المؤمنین،

کقول داؤد و سلیمان الحمد لله الذی فضلنا علی کثیر دن عبادہ المؤمنین، وعلی هذا الوجه یکون ”اہدنا“۔

والوں کو (اپنے انعام واکرام سے) سر بلند بنایا، لیکن جنہیں خصوصیت حاصل ہوئی ان کی تاویل دو طرح کی جاتی ہے:

اول یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں اور ادلہ وبراہین کی نعمتیں عطا کیں، تو بتاویل ثانی قرآن وادلہ (اہل اسلام کے لئے نعمتیں شمار ہوئیں)۔

ثانی یہ کہ ان لوگوں کو دین میں خصوصیت حاصل تھی کہ سارے ایمان والوں کے پیش رو بنائے گئے، چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے فرمایا: ”ساری ستائش اللہ ہی کو سزا وار ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی“، اسی وجہ کی بنا پر دعا ہے کہ ”اے اللہ ہمیں ہدایت دے“۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ نعمت ایسی خصوصیت ہے جس کے ساتھ بہت سے ایمانداروں کو غیر ایمانداروں میں سے اللہ تعالیٰ نے خاص کیا، لیکن استثناء اس بات پر دال ہے کہ نعمت کا ارادہ سارے ایمان والوں کو حاوی ہے، کہ اسے سارے ان لوگوں کی طرف پھیر دیا جن پر اللہ کا غضب نہ ہوا اور جو گمراہ نہ تھے۔

انعمت علیہم، (وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت بخشی) کی تفسیر میں معززلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کسی ایمان

و وجہ آخر وهو المخصوص الذى خص فيه كثيرا من المؤمنين من بين غيرهم، لكن الاستثناء يدل على صرف الارادة الى جملة المؤمنين اذ انصرف الى غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

وقوله انعمت عليهم على قول المعتزلة (ص ۷) ليس لله على احد من المؤمنين نعمه ليست على المغضوب عليهم ولا الضالين،

اذلانعمه من الله على احد الا الاصلح في الدين والبيان للسبيل المرضى، وتلك قد كانت على جميع الكفرة فيبطل على قولهم الاستثناء، والله الموفق۔

المخطوطة: ”الثناء، في الموضوعين

والے کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں کی جس کو اس نے گمراہوں اور ان لوگوں کو جن پر اللہ غضبناک ہوا نہ دی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو کوئی نعمت نہیں مل سکتی، کہ اللہ پر فرض ہے کہ ہر ایک کو دین کے بارے میں سب سے زیادہ صلاح رکھنے والے امور کو عطا کرے اور اپنے پسندیدہ راستے کو بیان کر دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں سارے کافروں کو بھی میسر ہیں، تو معتزلہ کے قول کے مطابق استثناء باطل ہے، اور (صلاح و ہدایت کی) توفیق اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

نیز ”مغضوب علیہم ولا الضالین“ کی تفسیر میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہیں، کیونکہ ہر گمراہ گمراہی کی وجہ سے اللہ کے غضب کا مستحق ہے، اور ہر مغضوب علیہ، ضلال کی صفت کا مستحق ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مغضوب علیہم، یہود ہیں، اس صفت کے ساتھ اس لئے مخصوص کیے گئے کہ انہوں نے نافرمانی اور سرکشی میں اپنی مثال قائم کر دی، نصاریٰ اتنے زیادہ تمرد و سرکشی کے مرتکب نہیں ہوئے، چنانچہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے انکار پر مصر رہے، اور بارہا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا، نصاریٰ کا یہ حال نہیں تھا۔

ثم اختلف فی المغضوب علیہم ولا الضالین، منهم من قال هو واحد اذ كل ضال قد استحق الغضب عليه وكل مغضوب عليه استحق الوصف بالضلال۔

ومنهم من قال المغضوب علیہم هم اليهود وانما خصوا بهذا بما كان منهم من فضل تمرد عتو لم يكن ذلك من النصاری، بكر انكارهم بعيسى وقصدهم قتله مما لم يكن ذلك من النصاری۔

ثم قولهم في الله ”يد الله مغلوله“، الاية (مائده: ۶۴) وقوله ”لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير“، الاية (آل عمران: ۱۸۱) وقوله ”لنجدن

۱ فی المخطوطه: ”قولهم، فی الموضوعین،



نیز اللہ کے بارے میں ان یہودیوں کا یہ قول کہ ”اللہ کا ہاتھ تنگ ہے“، الایہۃ، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول، ”البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے“، الایہۃ اور نیز اس کا قول، ”البتہ آپ ضرور یہود کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخت دشمن ایمان والوں کا پائینگے“، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا سمجھنے، سخت نافرمانی کرنے اور نفاق ظاہر کرنے کے بعد کافر قرار دیا، چنانچہ اسی لئے اللہ کے غضب کے مستحق اور گناہ گار ٹھہرے، اگرچہ گمراہی میں اپنے علاوہ دوسروں کے شریک کار بنے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے۔

علاوہ ازیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہوں کے بوجھ دو طرح اٹھائے جاتے ہیں۔ گناہوں کی ایک قسم وہ ہے جو اللہ کے غضب کو مستوجب ہے اور وہ کفر ہے۔

دوسرا گناہ اس سے کم تر ہے اور صرف گمراہی کے نام کو مستوجب ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: تب موسیٰ نے فرمایا کہ اس کو میں نے کیا ہے اور میں ضالین میں سے ہوں“۔ اگرچہ اس سورہ میں وارد ہوا ہے کہ اصل نعمت کی طرف رہنمائی کی تمنا کریں اور ہر گمراہی نیز ان ساری باتوں سے، جن سے اللہ تعالیٰ کے غضب و ناخوشی

أشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود“ (مائدہ: ۱۸۲) وکفرهم رسول اللہ بعد استقباحهم وشدۃ تعنتهم وظهور النفاق، فاستحقوا بذلك اسم الغضب عليهم وإن كانوا شركاء غیرهم فی اسم الضلال، وباللہ التوفیق۔

وفی هذا وجه آخر ان يحمل

الذنوب علی وجهین:

منها ما یوجب الغضب وهو

الکفر۔

ومنہا ما یوجب اسم الضلال

وهو ما دونہ۔ کقولہ ۱ ”قال

فعلتها اذا وانا من الضالین“،

المخطوطہ: ”موسیٰ فعلها

اذا“، - سورة الشعراء: ۲.

میں اضافہ ہو، اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے نجات ملتی ہے اور آفات سے خلاصی، مزید برآں تقسیم والی حدیث میں اللہ رب العالمین کا عظیم وعدہ موجود ہے کہ وہ بندے کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ دیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے آخری ٹکڑے کو اپنے بندے کے لئے خاص کر دیا ہے حالانکہ اس کی تلاوت میں فقر کے اظہار، رفع حاجت، طلب معونت، طلب ہدایت کے ساتھ بعض مذکور اشیاء سے اللہ کی پناہ ڈھونڈنے کے سوا کچھ نہیں ہے، نہ اس میں اس بات کا بیان ہے کہ بندہ کے اوصاف اسی کے لئے ہیں، ہاں، البتہ اس بات کا ضرور ثبوت موجود ہے کہ بندہ ان ساری باتوں میں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بندے کی دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کچھ نہیں کرتا، پھر خلاف کا احتمال کیونکر ہو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ان باتوں کا

و ان ورد فيه الهدايه لاصلها من نعمه والتعوذ به من كل ضلال و من جميع ما يوجب مقته و غضبه و بالله النجاة و الخلاص، مع ما في خبر القسمه و عد جليل من رب العالمين في اجابه البعد مما يدفع اليه من الحوائج اذا قال قسمت الصلاة بيني وبين عبدى نصفين۔

ثم صير آخر السورة لعبده وليس في متلوها سوى اظهار الفقر و رفع الحاجة و طلب المعونه و الاستهداء الى ما ذكره التعوذ عما ذكر، وليس ذلك مما يوصف به العبد انه له، فثبت ان له في ذلك اجابه ربه فيما اسره به، و وعد ذلك وهو لا يخلف وعده، فاني يحتمل ذلك بعد اسره العبد بالذی تضمنه اول السورة، فقام

حکم دے چکا جن کا ذکر شروع سورہ میں ہے، اور جن کو بندہ باوجود ملامت و جفا کے ادا کر چکا، تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور جود کے باوجود اپنا وعدہ پورا نہ کرے، یہ ہر گز نہیں ہو سکتا۔ پھر خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”سجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا،“ اور اسی طرح وہ آیات ہیں جن میں ایفاء وعدہ کا ذکر ہے، نیز وہ فرماتا ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔

مع هذا ایک حدیث کے مضمون کے مطابق جس کا تعلق تلاوت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو توریت و انجیل پر مقدم رکھا ہے، اور اس کی تلاوت کو قرآن پاک کے دو تہائیوں کی تلاوت کے برابر قرار دیا ہے، نیز دین، نفس اور دنیا کے مختلف نوعیت کے امراض کے لئے شفاء، ہر گمراہی سے بچنے کا ذریعہ اور ہر نعمت تک پہنچنے کا طریقہ بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہم اعانت و مدد چاہتے ہیں، یہ اس پر مستزاد ہے جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ان ناموں سے کر دی ہے جن کے ساتھ سورۃ فاتحہ القرآن مشہور و معروف ہے، جس کا درجہ عظیم، جس کا رتبہ بڑا اور جس کی ہدایت بے مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کا نام فاتحہ القرآن رکھا کہ اسی سورہ سے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی جاتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی قرات کی ابتدا

به العبد مع لومه وجفائه، واللہ بکرمه و جوده لاینجز نہ ما وعد، لا یکون هذا البتہ، وقد قال: ادعونی استجب لکم، وغیر ذلك مما فیہ الانجاز، وانه لا یخلف المیعاد۔

ثم قد جعل بما جاء من الحدیث فی تلاوة ان قدمه علی التوریه والانجیل. و عدله بثلاثی القرآن، وجعله شفاء من انواع الادواء للدين و النفس و الدنيا وجعله معاذاً من كل ضلال و ملجأ الی كل نعمه و بالله نستعین مع ما اوضح فی الاسماء التي لقب بها فاتحہ القرآن، عظیم موقعه و جلیل قدره و هداه، سماه فاتحہ القرآن بما به یفتتح القرآن،

وكذلك روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان يفتتح القراءة به، وسمى فاتحہ الكتاب

اسی سے کرتے تھے۔ اس کا نام فاتحہ کتاب  
اس وجہ سے ہے کہ قرآن حکیم کی کتابت  
اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

اس کا نام ام القرآن اس لئے ہے کہ قراءت  
میں سب سے پہلے اس کی قراءت کی جاتی ہے،  
بعض لوگ فرماتے ہیں اصل کو 'ام' کہتے  
ہیں کہ اس میں کسی نسخ و رفع کا احتمال  
و شائبہ تک نہیں، پس اصل ثابت ہے۔

اس سورہ کو مثنائی بھی کہتے ہیں، اس  
لئے کہ یہ سورت نماز کی رکعتوں میں بار بار  
دہرائی جاتی ہے، ولاقوة الا باللہ۔

اللہ تعالیٰ کے قول ” اهدنا تا آخر سورہ میں  
علاوہ ان امور کے جن کا ذکر گزر چکا دو  
مزید نکتے ہیں کیونکہ اللہ کا قول اهدنا  
الصراط المستقیم تا آخر سورہ ایک ایسی دعا  
ہے جو ما بعد کے آخر سورہ تک پورے مضمون  
کے لئے کافی ہے، کیونکہ اب آخر تک اس  
جملے کی تفسیر کے سوا کچھ اور نہیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ  
کی ان نعمتوں کی یاد دہانی کرتا ہے جو اللہ  
نے ان لوگوں کو عطا کیں، جنہوں نے اس  
کے دین کو اپنے دل سے قبول کیا، اور اللہ  
تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہے کہ اس کو  
قبول کریں اور اس کا فضل ہے ان پر، حالانکہ  
اللہ پر یہ فضل واجب نہ تھا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ لوگ اللہ سے، پناہ  
مانگیں کہ کجروی نا خوشی و گمراہی سے  
بچے رہیں، اور ان کی یہ التجاء اللہ سے، خود  
اس کے قول ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“  
سے ظاہر ہے۔

بما به يفتح كتابه المصاحف  
والقرآن۔

وسمى ام القرآن لما يؤم غيره  
في القراءة، وقيل الام بمعنى  
الاصل، وهو ان لا يحتمل شئ  
سما فيه النسخ ولا الرفع فصار  
اصلاً۔

وسمى المثنى لما يثنى في  
الركعات ولاقوة الا باللہ۔

وفي قوله اهدنا الى آخره وجهان  
سوى ما ذكرنا، اذ قوله اهدنا  
الصراط المستقيم دعاء كاف عما  
تضمن الى آخر السورة اذ ليس  
فيها غير تفسير هذه الجملة:

احدهما تذكير نعم الله على  
الذين يقبلون دينه في قلوبهم،  
والتوفيق لهم بذلك وفضاله  
عليهم بما ليس لهم عليه،

والثاني تعوذ هم عن كل زيف  
ومقت وذنوب، والتجاء هم اليه  
في ذلك بقوله غير المغضوب  
عليهم ولا الضالين۔

اتھئی تفسیر الفاتحہ

